امام غزالی
رحمت اللہ علیہ

محمد خالد جذبی

کرنا بھی نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔



امام غزالیؒ

محمد خالد جذبی

محمد نام، ابو حامد کنیت، حجۃ الاسلام لقب، 450ھ کوطوس میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امام احمد رازکانی سے حاصل کی۔ کچھ مدت جرجان میں رہے اور امام ابونصر اسماعیلیؒ سے علم حاصل کیا۔ پھر نیشاپور چلے گئے اور امام الحرمین ابوالمعالی جوینیؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔ وہ اپنے عہد کے عظیم ترین عالم، نیشاپور کے خطیب، اوقافِ اسلامی کے ناظم اور مدرسہ نظامیہ کے صدر مدرس تھے۔ وہ اپنے اس باکمال شاگرد پر بیحد نازاں تھے اور فرمایا کرتے تھے "غزالی علم کا بحرِ ذخار ہیں" استادِ گرامی کے انتقال کے بعد وہ نیشاپور سے روانہ ہوئے۔ اس وقت وہ اٹھائیس سال کے تھے لیکن اتنی کم عمری کے باوجود ان کا شمار بلادِ اسلامی کے چیدہ چیدہ باکمال اصحابِ علم وفضل میں ہونے لگا تھا۔ یہاں سے وہ ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی کے دربار میں پہنچے جو ان دنوں اہلِ فضل وکمال کا مرجع تھے۔ وہ ان کے فضل وکمال سے بیحد متاثر ہوا اور انہیں عالمِ اسلام کے سب سے بڑی درسگاہ نظامیہ کی صدارت تفویض کی۔ یہ اس دور کا سب سے بڑا علمی اعزاز تھا۔ چنانچہ وہ بہت جلد علمی حلقوں کے مرکز توجہ بن گئے۔ ان کے علمی تبحر کا شہر دور دور تک پھیل گیا اور تشنگانِ علم ہر طرف سے ان کے حلقہ درس میں شریک ہونے کیلئے بغداد کا رخ کرنے لگے۔

امام غزالی کا دورِ فلسفہ وتعقل پرستی کا دور تھا۔ یونانی فلسفیوں کی کتابیں عربی میں منتقل ہوچکی تھیں اور مسلمانوں کے فکر و ذہن کو بری طرح متاثر کررہی تھیں۔ فلسفیانہ موشگافیوں سے دین وشریعت اور اصول وعقائد کوئی چیز محفوظ نہ رہی تھی۔ دینی اصطلاحات کو نئے نئے معانی پہنائے جارہے ہیں۔ قرآنی آیات کی نئی نئی تعبیریں کی جارہی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ باطنیت کا فتنہ بھی عروج پر تھا اور باطنیوں کے ہاتھوں عالم اسلام کا کوئی دینی وسیاسی رہنماء اور عالم وصالح شخص محفوظ نہ تھا وہ مسلمانوں کے فکر وعقیدہ کو سبوتاژ کرنے کیلئے ایک نیا علم کلام اور دین وشریعت کی نئی تعبیرات پیش کررہے تھے۔ جو فلسفیوں کی خیال آرائیوں اور تعبیروں سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں۔ فلسفہ اور باطنیت کی ان بلاؤں کے درمیان مسلمان ذہنی انتشار میں مبتلا حیران و پریشان کھڑے تھے۔ مسلمانوں کے دانشور طبقے کے ایک بڑے عنصر کا رجحان فلسفے کی طرف تھا جبکہ باطنیت سے خوش عقیدہ عوام الناس اور عام پڑھا لکھا عنصر متاثر تھا۔ ابتداء میں امام غزالیؒ خود بھی فلسفہ وتعقل پرستی کے دالہ وشیدا تھے لیکن پھر شک وریب نے بے اطمینانی پیدا کردی جو بڑھتے بڑھتے تفلسف کی ان زندگی سے بیزاری کا موجب بن گئی۔ اس بیزاری نے انہیں تحقیقی مطالعے پر راغب کیا۔ وہ ایک سال تک کتابوں کے وسیع سمندر میں ڈوبے رہے۔ اس مطالعے سے ان پر فلسفے کی ناتکمی اور عقلیات کی بے مائیگی عیاں ہوگئی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ فلسفہ اپنے دامن میں قلب وذہن کی تشفی کا کوئی سامان نہیں رکھتا۔ اس کی بنیاد پر قائم ہونے والے افکار ونظریات کی عمارت سطح بینوں اور کوتاہ فہموں کو چاہے کتنی ہی خوشنما اور مستحکم نظر آئے درحقیقت سخت بودی اور کھوکھلی ہے۔ حقیقی علم وہ ہے جو کتاب وسنت کے صاف وشفاف سرچشمے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ احسان و تصوف کے کوچے میں پہنچے اور شیخ ابوطالب مکیؒ، شیخ حارث محاسبیؒ، شیخ بایزید بسطامیؒ، شیخ جنید بغدادیؒ اور شیخ شبلیؒ کے ملفوظات اور تصنیفات کا مطالعہ کیا اور آخر علم وتعلیم، عزت وشہرت اور جاہ واقبال کی زندگی کو خیر باد کہہ کر بغداد سے نکل کھڑے ہوئے۔ گیارہ سال تک دمشق، بیت المقدس، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اپنے وطن میں سخت مجاہدے اور ریاض کی زندگی گزاری، شک وریب اور بے اطمینانی کے تمام کانٹے نکل گئے اور دلجمعی اور سکون قلب میسر آیا۔ اس سارے عرصے میں انہوں نے خلوت وعزت گزینی پر اکتفا نہ کیا۔ انہیں مسلمانوں کے ہر طبقے کی فکری وعملی خرابیوں اور گمراہیوں سے آشنا ہونے کا موقع ملا۔ فلسفہ زدگی، متصوفین کی گمراہی، علماء کی بے عملی اور متکلمین کی موشگافیوں سے اکثر طبقات کا ایمان متزلزل اور عقائد متاثر ہوچکے تھے۔ ان خرابیوں اور کمزوریوں کے حقیقی اسباب وعوامل پر ان کی گہری مشاہداتی وتجزیاتی نظر تھی۔ پھر مختلف علوم کے وسیع وجامع مطالعے اور کتاب وسنت سے گہری واقفیت کی بدولت وہ بجا طور پر محسوس کررہے تھے کہ وہ مسلمانوں کے ان فکری وعملی امراض اور عقیدہ و اخلاق کی خرابیوں کا مداوا کرنے کی استطاعت وصلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔ تاہم انہیں یہ بھی احساس تھا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں بلکہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ سارے زمانے کی مخالفت اور عداوت کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن انہیں اپنے سوا کوئی اور مردِ میدان نظر نہیں آرہا تھا۔ مرض وبائی صورت اختیار کرگیا تھا اور مسیحا خود بیمار تھے۔ ایک طرف کٹھن کام اور اس راہ کی مشکلات اور صعوبتیں تھیں اور دوسری طرف فرض کا احساس تھا جو انہیں میدان میں نکلنے کی دعوت دے رہا تھا۔ ابھی وہ شش وپنج میں تھے کہ نیشاپور سے سلطان کا بلاوا آگیا۔ یہ گویا اشارہ غیبی تھا۔ وہ خلوت وعزلت ترک کرکے پھر میدان علم وعمل میں پہنچ گئے اور گیارہ سال کے بعد پھر مدرسہ نظامیہ میں زینت آرائے مسند درس ہوئے مگر اس غزالیؒ اور گیارہ سال پہلے کے غزالیؒ میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ گیارہ سال پہلے کے غزالیؒ محض ایک فلسفی، مناظر اور جاہ وعزت کے طلبگار ایک ایسے صاحب علم تھے جن کے سامنے متکلمانہ موشگافیوں، فلسفیانہ مباحث، مناظروں اور بے روح درس وتدریس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا جبکہ اب وہ ایک مصلح، مجدد اور انقلابی غزالیؒ تھے۔ امت کے طبیب اور مسیحا، جن کا ہاتھ امت کی نبض پر تھا اور جس کے امراض کے مداوا کی فکر انہیں مضطرب اور بے قرار کئے دیتی تھی۔ درس وتدریس کا شغل تھا یا تالیف و تصنیف کا سلسلہ، اب ان سب کا مقصود ایک تھا، اصلاحِ فکر و کردار۔ اب ان کی ساری جدوجہد فلسفے اور باطنیت کی فتنہ آرائیوں کے سدِباب اور اسلامی معاشرے کی فکری وعملی کاریوں کی اصلاح پر مرکوز تھی۔ انہوں نے ایک طرف فلسفے کی کمزوریوں کو آشکارہ کیا اور تنقید اور استدلال کی قوت سے اس کی بے مائیگی ثابت کی، دوسری طرف باطنیت کی فکری بنیادوں پر کاری ضرب لگائی اور تیسری طرف مسلمان معاشرے کے ایک طبقے پر کڑی تنقید کی اور ان اسباب وعوامل کی نشاندہی کی جو مسلمانوں کے دینی واخلاقی انحطاط کا سبب تھے۔ ان کے نزدیک مسلمان معاشرے میں پھیلی ہوئی ذہنی اور اخلاقی خرابیوں کے سب سے بڑے ذمے دار حکمران اور علماء تھے۔ انہوں نے ان دونوں طبقات پر کڑی نکتہ چینی کی۔ مزید براں دولت مندوں اور عوام الناس کے کردار واعمال کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ اس طرح پورے اجتماعی نظام کے مفاسد، کمزوریوں اور امراض کی نشاندہی کی اور اس سلسلے میں نہ کسی ملامت کی پروا کی اور نہ کسی مصلحت اور خوف کو خاطر میں لائے۔ ان کے علم، ان کی بصیرت اور ان کے کام کی عظمت کا اندازہ کرنے کیلئے ان کی کتاب احیاء العلوم کا مطالعہ کافی ہے جسے یورپ کے اہل علم تک نے خراج تحسین پیش کیا۔ یہ کتاب عقائد وفقہ، تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق اور احسان وتصوف کے موضوعات سے بحث کرتی ہے اور بلاشبہ اسلامی علوم کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے جو حق کے طلبگاروں کی تسکین کرتی ہے۔ امام غزالیؒ کا دوسری مرتبہ مدرسہ نظامیہ میں قیام بہت قلیل تھا جس کے بعد وہ اپنے وطن طوس چلے گئے جہاں ایک مدرسہ وخانقاہ کی بنیاد ڈالی اور علم وعرفان کی روشنی پھیلانے میں مشغول ہوگئے اور بالآخر 505ھ میں پچپن سال کی عمر میں اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔

